© rasailojaraid.com

قرآن اپنے متعلق کیا کہتا ہے؟

از جناب مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی

(۳)

ٹھیک اسی طرح عالم روحانی کا حال ہے یعنی گذشتہ سطور میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ "عقل" انسانی ہدایت کی وہ شمع روشن ہے جس کو قدرتِ حق نے انسان کے باطن میں ودیعت رکھ دیا ہے اور یہی قوتِ عقل حق و باطل، نور و ظلمت، ہدایت و ضلالت، نیک و بد میں امتیاز کرتی اور کھوٹے کو کھرے سے جدا کرتی ہے گویا وہ ایک روشنی کا مینار ہے جو عالمِ ضمیر کے اندر ہر وقت اپنے نور سے اچھے بُرے راستہ کا امتیاز ظاہر کرتا رہتا ہے لیکن ہر ذی عقل اس حقیقت کا بھی معترف ہے کہ عقلِ انسانی کا داخلی ماحول، خیالات و افکار اور اوہام و شبہات سے اور خارجی ماحول ظلماتِ کفر و شرک اور رسوم و عوائد جاہلیہ سے گھرا ہوا ہے اس لئے عقل کی روشنی اور درخشانی کے باوجود وہ ماورا مادیات اور الہیات کی راہِ مستقیم پر گامزن ہونے سے عاجز ہے اور یہ ظلمتیں اور تاریکیاں عقل پر اس طرح چھا جاتی ہیں کہ باطن کی یہ روشنی اپنی مفوضہ خدمت کے لئے مجبور نظر آتی ہے پس وہی قانونِ فطرت جس نے مادی ظلمتوں میں نورِ بصارت کو عاجز ظاہر کر کے خارجی روشنی کا محتاج قرار دیا تھا روحانی ظلمتوں میں نورِ عقل کو درماندہ ظاہر کرتے ہوئے معرفتِ حق اور ادراکِ حقیقت کے لئے خارج سے کسی روشنی کی اعانت و امداد کو ضروری قرار دیتا ہے خواہ وہ روشنی اپنی اقدار کے لحاظ سے تنگ بداماں ہو یا کسی درجہ وسعتِ آغوش کی حامل اور خواہ اپنی لامحدود وسعتوں کے لحاظ سے تمام کائنات ہست و بود پر حاوی و محیط ہو۔

پس قرآنِ عزیز نے اسی طویل حقیقتِ حال کو اس معجزانہ طرزِ استدلال میں بیان کیا ہے:۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قد جاءکم من اللّٰہ نورٌ بلاشبہ تمہارے پاس اللہ کی جانب سے روشنی آگئی"

یعنی جس طرح آنکھ کی اندرونی روشنی تاریکیوں میں بغیر باہر کی روشنی کے نہیں دیکھ سکتی، اسی طرح انسان کے باطن کی روشنی (عقل) بھی ماورائے محسوسات کو "ظلمات بعضہا فوق بعض" کی بنا پر خارجی روشنی کی اعانت کے بغیر حقیقت کا نظارہ نہیں کر سکتی۔ اور خارج کے اس نورِ تاباں ہی کا نام مذہب کی اصطلاح میں "وحی" ہے جو بلاشبہ صراطِ مستقیم کے لئے نور الانوار ہے۔ پس اگر وحیِ الٰہی کی یہ روشنی انسانی مدرکات کے لئے معاون و مددگار نہ بنتی تو انسان کبھی حقیقتِ کبریٰ کو عریاں نہ دیکھ سکتا، یہی وجہ ہے کہ رسول و نبی کی بعثت کی ضرورت ایک حقیقی اور فطری ضرورت و حاجت ہے تاکہ وہ اس نورِ خارجی کو ہم تک پہنچائے اور راہِ ہدایت دکھلائے۔

اور یہی وجہ ہے کہ مادی دنیا کے دورِ اولین میں جبکہ اس کا دامن تنگ تھا یہ روشنی بھی مختصر حدود کو روشن کرتی رہی لیکن جب دنیا رمادی سنِ شعور کو پہنچی اور اس کی نشو و نمانے حدِ بلوغ حاصل کر لیا تو اس نسبت سے آہستہ آہستہ یہ خارجی نور بھی وسیع سے وسیع تر ہوتے ہوتے سنِ شعور اور حدِ بلوغ کو پہنچ کر اور قرآن کی شکل میں "نورِ مبین" بن کر جلوہ گر ہوا اور اپنی تابانی و درخشانی سے کل معمورۂ عالم کو روشن و منور کر دیا۔ اس لئے یقیناً قرآن کا یہ دعویٰ حق ہے کہ اگر اس سے وابستہ مقدس ہستی آفتابِ رسالت اور سراجِ منیر ہے تو وہ بلاشبہ کائناتِ انسانی کے لئے "نورِ مبین" ہے۔

وانزلنا الیکم نوراً مبیناً (نساء)	اور اتاری ہم نے تم پر روشنی واضح۔
یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِؤُا نُوْرَ اللّٰہِ	وہ ارادہ رکھتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے
بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ	بجھادیں اور اللہ اپنا نور پورا کرنے والا ہے
وَلَوْکَرِہَ الْکَافِرُوْنَ (صف)	اگرچہ کافروں کو بُرا لگے۔
یریدون ان یطفؤا نور اللہ	وہ ارادہ کرتے ہیں کہ اپنے منہ سے خدا کی روشنی کو
بافواھھم ویابی اللہ الا ان یتم	بجھادیں اور اللہ اپنی روشنی پورا کئے بغیر نہیں
نورہٗ ولوکرہ الکافرون۔ (توبہ)	رہے گا اگرچہ کافر برا مانیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قد جاءکم من اللہ نورٌ و — بیشک تمہارے پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے
کتاب مبین (مائدہ) — روشنی اور کتاب واضح۔
واتبعوا النور الذی انزل معہ (اعراف) — اور تابع ہوئے اس روشنی کے جو اس کے ساتھ اتری۔
فامنوا باللہ ورسولہ والنور — پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور
الذی انزلنا۔ (تغابن) — اس نور (قرآن) پر جو ہم نے اتارا۔

پس اگر یہ صحیح ہے کہ "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب" تو لاریب یہ بھی درست ہے کہ قرآن نور ہے اس لئے کہ وہ خود اپنے الفاظ و معانی کے حقایق میں واضح اور روشن ہے اور تمام کتبِ سماویہ اور ادیان حقۂ قدیمہ کے حقائق کو بھی تاریکی سے روشنی میں لانے والا ہے اس لئے جو شخص بھی اس کی معجزانہ فصاحت و بلاغت اور واضح اسالیبِ بیان کو فکر و نظر سے دیکھتا اور تدبر و تعقل کی راہ سے جانچتا ہے تو اس پر ایک لمحہ کے لئے بھی یہ "حقیقت" مستور نہیں رہ سکتی۔ اور جس طرح بجلی کا قمقمہ روشن ہو کر گرد و پیش کو منور کر دیتا ہے اور جحود و انکار کے باوجود کسی کو اس کے رخِ روشن کا انکار کئے نہیں بن پڑتا اسی طرح جب وہ اپنے اعجازِ بیان کے ساتھ کائنات کو مخاطب کرتا ہے تو عقلِ سلیم کو قبول کئے اور قلبِ فہیم کو متاثر ہوئے بغیر کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہتا اور گو زبان اس اقرار سے منکر ہی رہے لیکن باطنِ قلب اس کے روشن دلائل و براہین کے سامنے اعتراف و قبول پر مجبور ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر مسئلہ توحید ہی کو لے لیجئے کہ خدا کی الوہیت و ربوبیتِ کاملہ کا اعتقاد وجودِ انسانی کے مقاصدِ عظمیٰ اور معارفِ علیا میں سے ہے کیونکہ اس اساس پر پہنچ کر وہ حقایق و معارف سے آگاہی پاتا، تزکیۂ نفس کے نتیجہ و ثمرہ سے حقیقی استفادہ کرتا، اور عقل کو منور و درخشاں بناتا ہے اور یہی وہ عقیدہ ہے جس کے پیشِ نظر وہ اپنی ہستی کو تمام کائناتِ ہست و بود کا خلاصہ اور ثمرہ سمجھ کر خدا کا خلیفہ اور نائب کہلاتا ہے۔ چنانچہ ہر دور اور ہر زمانہ میں انبیا و رسل اس مقصدِ عظمیٰ کی دعوت دیتے اور امم سابقہ کو پیغامِ حق سناتے رہے ہیں لیکن تاریخ شاہد ہے کہ امم ماضیہ نے اول تو اس حقیقت پر زیادہ دھیان ہی نہیں دیا اور اگر دیا بھی تو زیادہ عرصہ نہیں گذرتا تھا کہ پھر قعرِ مذلت میں گر جاتی اور شرک و بت پرستی کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شعار بنا کر فطرت کو مسخ کر لیتی اور عقل وخرد کو برباد کر ڈالتی تھی اور بلندی وسرفرازی سے گر کر خدا کے سوا کائنات کی ہر چیز کے سامنے سربسجود نظر آتی تھی تو ایسا کیوں ہوتا تھا اس لئے کہ ابھی اُن کے عقول و ادراکات نے سن شعور کی سی پختگی حاصل نہیں کی تھی اور اس لئے بھی کہ عقل وخرد کی خامی اور نشوو ارتقا کی کمزوری ان کو اس دقیق مسئلہ پر مستقیم نہیں رہنے دیتی تھی وہ بلاشبہ ایک خدا کے قائل رہتے تھے مگر ساتھ ہی ایذا رساں اور مضرت کناں اشیاء کے خوف یا اُن میں کسی ندرت کے وجود یا ان کی افادیت کے تاثر سے اپنی خادم اشیاء کو مخدوم بنا کر خدا کی طرح پوجنے لگتے اور خدا کا سہیم و شریک مان لیتے۔ نیز یہ یقین کر بیٹھتے تھے کہ عالم سفلی وعلوی کی یہ مخلوقات ہمارے اور خدا کے درمیان ایسا واسطہ ہیں کہ جب تک ان کی پرستش اور پوجا کر کے ان کو خوش اور راضی نہ کر لیں گے خدا کی رضا کا حصول ناممکن ہے "ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زُلفیٰ"

لیکن مسطورہ بالا وجوہ کے علاوہ توحیدِ خالص پر ان کی عدم استقامت کی ایک نمایاں علت یہ بھی تھی کہ ان کی مذکورہ بالا خام کاریوں کی وجہ سے اس مسئلہ کے افہام وتفہیم میں استعارات و تشبیہات کو روا رکھا گیا تاکہ یہ سادہ مگر دقیق مسئلہ ان کے عقل وذہن سے قریب تر ہو سکے۔ مگر ان کی خام کاری زیادہ دیر تک اس کے اصلی خدوخال سے متاثر نہیں رہنے دیتی تھی۔ اگر وہ اصنام پرستی، کواکب پرستی اور مظاہر پرستی سے اجتناب کرتے بھی تو استعارات وتشبیہات کو اصل مان کر کبھی انبیا ورسل کو خدا کا بیٹا کہتے اور کبھی بزرگوں اور مقدس انسانوں کو اوتار بنا کر خالص توحید سے منہ موڑ لیتے تھے پس جبکہ ادیان وملل کی تاریخ کا کوئی صفحہ بھی شرک سے خالی نہ رہا اور تمام کائنات میں خدا پرستی کی جگہ اصنام پرستی، مظاہر پرستی اور انسان پرستی نے لے لی تو یہ تمام عالم ظلمات شرک وکفر سے یکسر تاریک ہو کر رہ گیا۔ اُس وقت ظلمتوں اور تاریکیوں کے ان تمام پردوں کو چاک کر کے اس مسئلہ کے ہر گوشہ اور ہر پہلو کو اگر کسی نے روشن ومنور کر دکھایا اور کسی گوشہ کو بھی تاریکی میں تشنہ نہ رہنے دیا تو وہ صرف یہی "نور مبین" ہے۔ جس کا دوسرا نام قرآن ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برہان | قرآن عزیز، "الکتاب" "الہدیٰ" اور "نور مبین" ہے یہ حقائق، دلائل کی ترازو میں کہاں تک پورے اترے اور تاریخ ادیان وملل کی شہادت نے اُن کو کس حد تک حق ثابت کیا گذشتہ سطور سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے لیکن قرآن اس سے آگے کچھ اور بھی دعوی رکھتا اور کہنا چاہتا ہے کہ وہ "برہانِ رب" ہے۔

یا ایھا الناس قد جاء کم برھان من ربکم۔ (النساء) — لوگو! بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی "دلیل" آپہنچی۔

اکثر علماء اسلام کا قول ہے کہ اس مقام پر "برہان سے مراد" ذاتِ اقدس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے یا اُن کے معجزاتِ باہرات مراد ہیں اور بعض علماء کہتے ہیں جن میں زمخشری نمایاں ہیں کہ اس سے مراد قرآن ہے ہمارے نزدیک ان اقوال میں کوئی اختلاف نہیں ہے اس لئے کہ لغت میں برہان کے معنی "حجت و دلیل" کے ہیں یعنی وہ شے جو کسی دعوے کے ثبوت کا کام دے برہان کہلانے کی مستحق ہے تو اس لحاظ سے اس کا اطلاق ذاتِ اقدس پر بھی ہوتا ہے کہ وجود با جود سرتاسر دعوی رسالت کی صداقت کے لئے روشن ثبوت ہے اس لئے کہ وہ "نبی امی" ہے جو انسانی آغوشِ تربیت سے محروم، کالج واسکول یا شخصی استاذ و ماہرینِ فن کی شاگردی سے ناآشنا، تمدنی تعلیمی سوسائٹی سے بیگانہ، ماحول اور گردو پیش ہر قسم کے تعلیمی اداروں اور علمی مذاکروں سے خالی، دین وملت کی تعلیم اور دنیاوی تمدن وحضارت دونوں معدوم غرض ابتدائی عمر یتیمی وبیسری کی آئینہ دار اور عمر کا کوئی حصہ بھی کسی کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنے سے بے نیاز ملک ایسا کہ جہاں آبشار، مرغزار، گل وگلزار کی جگہ جھلسے ہوئے پہاڑ اور تپتی ہوئی ریت۔ بادِ سموم چل جائے تو دماغ ہانڈی کی طرح جوش مارنے لگے گویا ہر قسم کے دماغی نشوونما کے لئے "ناموزوں" بوادٍ غیر ذی زرع عند بیتک المحرم" پس ان تمام ناسازگار حالات میں پچیس برس تک انہوں اوران پڑھوں کے درمیان سادگی سے گذار کر یک بیک غارِ حرا سے ایک ایسا کلام پیش کر دیتا ہے جو نظم وترتیب، انسجام وارتباط معانی ومطالب، حقائق ومعارف اور نکات ولطائف غرض ہر علمی اور عملی پہلو کے پیش نظر سرتاسر اعجاز ہی اعجاز ہے تو اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ یقیناً یہ مقدس ہستی براہ راست خدائے برتر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی آغوشِ رحمت سے فیض حاصل کر کے کائناتِ انسانی اور تاریخ ادیان وملل کے سامنے ایک ایسی "حجت" اور ایسا "برہان" ہے جس کی صداقت کا انکار بداہت وحقیقت کے انکار کے مرادف ہے۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست
کتبخانہ چند ملت بہ شست

لیکن اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ اگر ذات قدسی صفات بہ نفسِ نفیس "برہان" ہے تو اسی لئے کہ مسطورہ بالا شئون وحالات کی موجودگی میں اس نے ایک ایسا اعجاز پیش کر دیا جس کے سامنے ساری کائناتِ علمی سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوئی اور جس کے معارضہ سے عاجز و درماندہ ہو کر یہ کہنا پڑا

واللہ ماھذا کلام البشر۔ قسم بخدا یہ بشر کا کلام نہیں ہے

اور اسی اعجاز کا نام "قرآن حکیم" ہے

اور اگر معجزات النبی مراد ہوں تو اس اعتبار سے بھی یہ اطلاق اس لئے صحیح ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی راہنمائی کے لئے انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سلسلہ جاری فرمایا تو ان کو پیغامِ صداقت اور دعوتِ حق کے لئے دو قسم کے سامان عنایت فرمائے ایک علمی دلائل اور شواہد ونظائر تاکہ اہل علم ونظر کے لئے تعلیماتِ حق وصداقت کی جانچ اور پرکھ کا موقع میسر آئے اور دوسرے ایسے معجزانہ امور کہ جن کے مقابلہ سے حیران وعاجز ہو کر حق وصداقت کے سامنے وہ ہستیاں بھی سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو جائیں جو علمی کاوشوں اور فکری وعقلی دلائل وبراہین سے اس درجہ متاثر نہیں ہوتیں جس قدر کہ خرقِ عادت اور اعجازِ قدرت سے اثر پذیر ہو جایا کرتی ہیں چنانچہ انسانی نفسیات کا یہ قدیم نقشہ ہے جو ہر زمانہ میں ان دونوں قسم کے موثرات کے درمیان تقسیم رہا ہے۔

پس اگر حضرت موسیٰؑ کو ید بیضا اور عصا عطا ہوا اور حضرت عیسیٰؑ کو دمِ عیسیٰ بخشا گیا تو اس قسم کے عملی معجزات کثیر تعداد میں ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عنایت ہوئے لیکن ان تمام عملی معجزات سے بلند وبالا معجزہ جو حجت وبرہان اور دلیلِ محکم ویقین مبرم کا شاہکار ثابت ہو، قرآن کے علاوہ دوسرا کون ہو سکتا ہے، اس لئے "برہان من ربکم" کی توجیہ اگر معجزات سے بھی کی جائے تب بھی اس کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اطلاقِ اولین قرآن سے زیادہ اور کسی پر نہیں ہو سکتا۔

اور اگر "برہان" کی تفسیر صرف "حجت و دلیل" ہی کے ساتھ کیجئے تو بھی قرآن ہی کو پیش کرنا پڑے گا اس لئے کہ انسانوں کی ہدایت اور ثقلین کے ارشاد و دعوت کے لئے بلکہ انسانی معاد و معاش یعنی حیاتِ اولی و اخروی ــ دونوں کے لئے نہ اس سے بہتر کوئی دلیل سامنے آسکی اور نہ اس سے بلند کوئی "برہان" روشن و رونما ہو سکا۔

غرض "برہانِ رب" کی کوئی تفسیر بھی کیجئے، قرآن بہر حال درمیان میں آجاتا اور ناقابلِ انکار حقیقت کی طرح نمایاں ہو جاتا ہے۔ پس بالواسطہ اطلاق کیجئے یا بلا واسطہ قرآن بلا شبہ حجت ہے، دلیل ہے، برہان ہے بلکہ "برہانِ رب" ہے۔

آپ قرآن کا بغور مطالعہ فرمائیے اور تفکر و تعقل کو واسطہ بنا کر غور فرمایئے تو خود فیصلہ کرنے پر مجبور ہوں گے کہ اعتقاد و ایمان، اخلاق و عمل، معیشت و معاشرت، غیب و شہود کا کون سا مسئلہ ہے جس کو قرآن نے آنکھ بند کر کے قبول کر لینے کی دعوت دی ہو، نہیں وہ تو ہر مسئلہ پر وجدان، حواس اور عقل سے اپیل کرتا اور ان کی روشنی میں حق و صداقت کا فیصلہ چاہتا ہے اس لئے وہ ہر مسئلہ پر دلائل دیتا، شواہد و نظائر پیش کرتا اور پھر فکر و نظر کی دعوت دے کر حق و باطل میں امتیاز کا طالب ہوتا ہے۔

اور چونکہ وہ انسان کے قلب و دماغ اور اس کی نفسیاتی کیفیت کو متاثر کرنا چاہتا ہے اس لئے کہ ان ہی کے تاثر سے اعتقاد و یقین اور اذعان عالمِ وجود میں آتے ہیں اس لئے وہ اپنے دلائل و براہین میں اس حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کرتا کہ منطقی طریق استدلال کی جگہ وجدانی اور خطابی برہان ہی مضراب بن کر سازِ ہستی کے نفسیاتی اور وجدانی تاروں کو چھیڑتا اور انسان کو بن دیکھے خدا کی معرفت عطا کر سکتا ہے

پس جب وہ خدا کی مقدس ہستی پر ایمان و اذعان کا طالب ہوتا ہے تو صغری و کبری اور نتیجہ کی ترتیب اور قضایا کے باہمی ارتباط سے بے نیاز ہو کر عالمِ محسوسات کے اُن سادہ نقوش کو پیش کرتا ہے جو خود بخود ایک غیر جانبدار غیر متعصب اور خالی الذہن ذی عقل کے وجدان کو اپیل کرتے اور عقل و شعور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو بیدار کرکے اپنی صداقت کا خراجِ تحسین حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ وہ کہتا ہے۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۝ ہم نے تم کو بنایا پھر کیوں نہیں سچ مانتے بھلا دیکھو
اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ تو جو پانی تم ٹپکاتے ہو کیا تم اس کو بناتے ہو یا ہم
اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ بنانے والے ہیں، ہم ٹھہرا چکے تم میں مرنا اور ہم عاجز
الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نہیں اس بات سے کہ بدلہ میں لے آئیں تمہاری
نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا طرح کے لوگ اور اٹھا کھڑا کریں تم کو وہاں جہاں
لَا تَعْلَمُوْنَ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ تم نہیں جانتے اور تم جان چکے ہو پہلی پیدائش پھر
الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا کیوں نہیں یاد کرتے بھلا دیکھو تو تم اس کو کرتے ہو
تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ کھیتی یا ہم اس کو کھیتی بنانے والے ہیں اگر ہم
الزّٰرِعُوْنَ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطٰمًا چاہیں تو کر ڈالیں اس کو روندی ہوئی گھاس
فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ بَلْ پھر تم سارے دن رہو باتیں بناتے کہ ہم تو
نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ قرضدار رہ گئے) بلکہ ہم بے نصیب ہو گئے، بھلا
تَشْرَبُوْنَ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ دیکھو تو پانی کو جو تم پیتے ہو کیا تم نے اس کو اتارا
اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا بادل سے یا ہم ہیں اتارنے والے اگر ہم چاہیں
فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تو کر دیں اس کو کھارا، پھر کیوں نہیں احسان مانتے
تُوْرُوْنَ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ بھلا دیکھو تو آگ جس کو تم سلگاتے ہو کیا تم نے پیدا
اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا کیا اس کا درخت یا ہم ہیں پیدا کرنے والے ہم نے
تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ۝ فَسَبِّحْ ہی تو بنایا وہ درخت نصیحت دینے کو اور برتنے کو
بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝ (الواقعہ) جنگل والوں کیلئے، اپنے رب کی پاکی بیان کر جو سب سے بڑا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے انسان اپنی ذات اور اپنے وجود پر نظر ڈالے اور سوچے کہ توالد و تناسل کا یہ سلسلہ جس کا ایک ظہور خود بھی ہے کس کے ذریعہ عمل میں آتا ہے کیا انسان کو مادہ نے یہ ہیولیٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عطا کیا ہے، یہ چشم و ابرو، یہ رخِ روشن، یہ بازو اور یہ جسم کا تناسب اس کا بخشا ہوا ہے اور پھر اس جسمِ خاکی میں زندگی اور حیات کیا ہے اور کس کا عطیہ ہے اور حیاتِ انسانی میں مادی ساخت کے ساتھ عقل و شعور، جذبات واحساسات، ادراکات وخواہشات کا یہ تلاطم کیا اندھے بہرے "مادہ" اور اس کی حرکت کا صدقہ ہیں یا انسان نے انسان کو یہ سب کچھ عطا کیا ہے اور یا پھر انسان سے کمتر مخلوق اپنے سے اعلیٰ مخلوق کی ایجاد کی ضامن ہے؟ جب مادہ عقل و شعور اور جذبات وادراکات سے خالی ہے تو لطیف سے لطیف شکل میں بھی اس سے ایک ایسی شے کس طرح وجود میں آسکی جو اس کی اپنی بنیاد ہی میں موجود نہیں۔ درخت کی گٹھلی میں جبکہ نطق اور عقل کا وجود ہی نہیں ہے تو درخت یا اس کے برگ وبار میں نطق وعقل کی تلاش ایک عبث فعل ہے البتہ گٹھلی میں گو بالفعل برگ وبار اور درخت کا نشان موجود نہیں ہے تاہم درخت اور درخت کے پھل پھول لطیف یا لطیف تر مادہ ہی ہیں اور بس تو عقل بسہولت فیصلہ کر سکتی ہے کہ گٹھلی میں مستور مادہ نے یہ سب کچھ رنگ وروپ اختیار کر لیا ہے۔

غرض جبکہ عقل، شعور، جذبات، ادراکات "مادہ" کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتے اور کسی دوسرے عالم کی شے نظر آتے ہیں تو ان کو بے جان اور بے کیف مادہ کی پیداوار کیسے کہا جا سکتا ہے؟ پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ توالد وتناسل کا یہ سلسلہ گو مسلسل جاری نظر آتا ہے لیکن انسان کو جنسی تقاضے کے پورا کرنے کے علاوہ تخلیقِ انسانی میں مطلق کوئی دخل نہیں ہے بلکہ عام طور پر وہ تو یہ بھی نہیں جانتا کہ ماں کے پیٹ میں "انسان" نشو ونما پا رہا ہے یا کوئی انوکھی قسم کی مخلوق ہے اور یہ تو گمان بھی نہیں ہو سکتا اور عقل اس کو باور کر ہی نہیں سکتی کہ انسان جیسی اشرف مخلوق جو کائنات کا خلاصہ ہے اپنے سے پست مخلوق کی صناعی کا ثمرہ اور نتیجہ ہے تو اب اس کے سوائے اور کیا فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ اس مکرم ومشرف ہستی کو کسی ایسی بلند تر ہستی نے بنایا ہے جس کا ید قدرت (انرجی) کائنات کی قدرت (انرجی) سے زیادہ قوی اور عقل وشعور اور ادراکات سے بلند قوت کا سرچشمہ ہے۔

پس اگر اس فکر ونظر کے ساتھ اپنی اور کائنات کی خلقت پر غور کرو گے تو یہ یقین کرنا ہو گا کہ نظامِ عالم کی یہ تمام کار فرمائیاں ایک صاحبِ ارادہ، صاحبِ قدرت اور صاحبِ حکمت ہستی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ارادہ وحکمت اور قدرت واختیار کے بے قید تصرفات کے زیر اثر ہیں اب تم کو اختیار ہے کہ وحی الٰہی کے "برہان" کی روشنی میں اس قادر مطلق ہستی کو خدا کہو اور صاف الفاظ میں اذعان ویقین محکم کے ساتھ ذاتِ واحد پر ایمان لے آؤ یا برہان رب سے منہ موڑ کر اس کا کوئی دوسرا نام تجویز کر لو کیونکہ قانون کی تبدیلی سے حقیقت بہرحال حقیقت ہی رہتی ہے تبدیل نہیں ہو جاتی۔

پھر غور کرو زندگی اور موت کے فلسفہ پر آخر یہ کیا ہے کہ تم ہمیشہ زندہ رہنے کے ہزار جتن کرو تب بھی تم کو پنجۂ موت سے چھٹکارا نصیب نہیں کیا یہ اس لئے نہیں ہے کہ تمہاری زیست وموت خود تمہارے اپنے اختیار میں نہیں ہے اور اگر اس کو اسبابِ مادی کے ساتھ وابستہ بھی کیجئے تب بھی اس کا کوئی حل نہیں ہے کہ فلاں سبب کے ساتھ ہی موت کیوں وابستہ ہوئی اور بالآخر اس "کیوں" اور "کیا" کا جواب اس پر جا کر ختم ہو جاتا ہے کہ قدرت کا قانون اسی طرح کام کر رہا ہے لیکن جب "کیوں" کا یہی سوال قانونِ قدرت پر وارد کیا جاتا ہے تو پھر اذہن کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں رہتا۔ اور اس مقام پر پہنچ کر تمام فلسفہ پر سکوت، وخاموشی کی موت طاری ہو جاتی ہے تو اس وقت اس جواب کا تسلی بخش جواب "برہان رب" ہی دیتا ہے اور ایک ابدی وسرمدی ذات (وحدہ لاشریک لہ) کا تصور پیدا کر کے "کیوں" کے تمام سوالات کا حل اسی ایک آشکارا حقیقت سے دیگر تمام گتھیاں سلجھا دیتا ہے۔

اپنے نفس کے بعد اب کائنات کی دوسری اشیاء پر غور کرو پانی کس نے پیدا کیا اور مادہ نے پانی کی شکل کیوں اختیار کی اور بدنظمی اور بے کیف عملی زندگی سے ایسا عالم وجود میں کیوں نہ آسکا کہ سمندر کا پانی میٹھا ہو جاتا اور تمام دریاؤں اور کنوؤں کا پانی کھارا بن جاتا یا دونوں شیریں ہو جاتے یا دونوں نمکین ہی نظر آتے۔ آخر اس نظم کی تہ میں کون سی ذی ارادہ وبا اختیار صاحبِ حکمت ہستی کارفرما ہے کہ جس نے سمندر کے پانی کو اس لئے نمکین اور تلخ بنا دیا کہ بند رہنے اور حدود میں مقید رہنے کی وجہ سے سڑ نہ جائے اور دریاؤں اور کنوؤں کا پانی اس لئے شیریں بنایا کہ اس سے ذی روح مخلوق کی تشنہ لبی کا سامان میسر آ جائے پھر اس پانی سے کھیتوں کو سیراب کر کے مادی زندگی کے کل سامان خورونوش کا انتظام کس نے کر دکھایا اور یہی نہیں بلکہ سرسبز وشاداب درختوں میں سے آگ پیدا کر کے کس نے زندگی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوازمات کی تکمیل کی یہ سب باتیں سوچنے اور نصیحت حاصل کرنے کے لئے ہیں کہ کائناتِ ہست وبود کا یہ منظم کارخانہ بے جان وبے شعور مادہ اور اس کی حرکت کا نتیجہ وثمرہ ہیں یا بے اختیار انرجی کا صدقہ ہیں، یا یہ دونوں باتیں غلط ہیں اور دراصل یہ سب کچھ با اختیار واحد ہستی کے ارادہ واختیار اور قدرتِ کاملہ کا مظہر ہیں

غرض انسان کی تخلیق، اس کی حیات وموت، اس کی جانشینی ووراثت کا سلسلہ، نیز آگ پانی، خورونوش کے لئے زراعت و پیداوار اور ان سب میں ترتیبِ نظام وتکمیل کار ایسی بات نہیں ہے کہ فکر ونظریہ فیصلہ کرنے میں دشواری محسوس کرتی ہو کہ اس نظم ونظام اور ترتیب وتکمیل کی نسبت کسی بے جان وبے شعور شے کی جانب کرنا عقل وخرد کو ناکارہ ثابت کرنا ہے بلکہ اس کی صحیح نسبت اُس ہستی کے ساتھ منسوب ہونی چاہئے جس کا نام اللہ ہے اور جس نے انسان کی عارضی اور ابدی فلاح کے لئے نظامِ عالم کے ان اصولوں کو محکم ومضبوط اور اٹل بنا کر کارخانۂ عالم کو استواری بخشی اور درہم برہم ہونے سے محفوظ رکھا۔

چنانچہ "برہانٌ من ربکم" کی یہی وہ تفسیر ہے جو قرآن حکیم کے استدلالات کے سلسلہ میں خدا کے وجود اُس کی توحید، الٰہیات کے مسائل اور معاش ومعاد کے حقائق سب ہی کے اندر روشن وتاباں نظر آتی ہے اور صاحبِ وجدان سلیم کے لئے راہِ حق کی جانب راہنما ہی ہے۔

فرقان | بیشک قرآن عزیز روشن ودرخشاں "برہان" بلکہ "برہانِ رب" ہے۔ تاہم برہان یعنی حجت و دلیل کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ معرکۂ حق وباطل کے درمیان امتیاز کے لئے ہی استعمال کی جائے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ایسی شے کے ثبوت پر دلیل وبرہان قائم کیا جائے جس کا نہ کسی نے انکار کیا ہو اور نہ وہاں دو متضاد اعتقادات کارفرما ہوں بلکہ ایک امر کے وجود وثبوت کے لئے صرف اس لئے دلیل وبرہان پیش کیا گیا کہ وہ موجود ہے اور ثابت ہے اس لئے کسی برہان کی قوتِ تاثیر اور قدرتِ نفوذ کا بہترین مظاہرہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ دو متضاد اور متخالف اعتقادات ونظریات پیشِ نظر ہوں اور برہان و دلیل کی اس لئے ضرورت پڑے کہ وہ فیصلہ کردے کہ حق کس کی جانب ہے اور باطل کا رخ کس طرف ہے۔ برہان کا یہ وظیفہ بہت اہم اور نہایت نازک ہے اور اس لئے جس قدر بھی روشن اور واضح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برہان ہوگا اُسی قدر یہ امتیازی حقیقت صاف اور بے لوث نمایاں ہوکر سامنے آئے گی۔ چنانچہ قرآن عزیز اعلان کرتا ہے کہ میرے "برہانِ رب" ہونے کا صرف یہی منشا نہیں ہے کہ میں کسی شے کے ثبوت و وجود پر دلائل اور شواہد و نظائر پیش کرکے ایک مسلمہ حقیقت کو عریاں کر دیتا ہوں بلکہ اُس نازک سے نازک اور اہم سے اہم مواقع پر جبکہ حق و باطل یا نور و ظلمت کے درمیان معرکۂ رزم بپا ہو تو ان کی آویزشوں کے پردہ ہائے مستور کو چاک کرکے حق و باطل کے درمیان اس طرح فرق و امتیاز پیدا کر دیتا ہوں کہ اگر انسان عقل و خرد سے بیگانہ نہ ہو تو نظر و فکر بسہولت اس کو آفتاب عالمتاب کی طرح دیکھ لیتی اور حقیقت کو دروغ سے جدا پا لیتی ہے بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ میرے "برہانٌ من ربکم" کا طغرائے امتیازی یہ ہے کہ کائناتِ انسانی جب ورطۂ ظلمت میں گم ہوکر راہ نور کو گم کر دے یا باطل کے بادلوں میں حق کو نہ دیکھ سکے اور حیران و سرگرداں ہوکر برقِ تاباں کی منتظر ہو تو عالمِ روحانیات کا پردہ چاک کرکے میں سامنے آتا اور گم کردہ راہ کو منزلِ مقصود کی راہ دکھاتا ہوں۔ اس لئے میں فقط برہان نہیں ہوں بلکہ "الفرقان" بھی ہوں یعنی وہ مشہور و منتظر دلیلِ راہ اور برہانِ صراط ہوں جس کی راہنمائی کے بعد باطل کی تاریکیاں چھٹ کر حق روشن ہو جاتا اور ظلمت کے پردے پھٹ کر نور برق پاشی کرنے لگتا ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ	برکت والی ہے وہ (خدا) کی ذات جس نے اپنے بندہ
الْفُرْقَانَ عَلٰى	(محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پر حق و باطل کے درمیان
عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ	فرق و امتیاز پیدا کرنے والی کتاب نازل کی تاکہ وہ
نَذِيْرًا۔	بندہ تمام جہانوں کے لئے خدا کی جانب سے ڈُبری
(فرقان)	باتوں پر ڈرانے والا (رسول) ہو۔

قرآن "الفرقان" ہے یعنی حق و باطل کے درمیان فرق و امتیاز پیدا کرنا اس کا طغرائے امتیاز ہے کیونکہ جب کائناتِ انسانی کے سامنے یہ نازک حقائق آتے ہیں کہ توحید حق ہے یا شرک، ایمان و اسلام صحیح ہے یا کفر و جحود، انبیاء و رسل کی بعثت ایک فطری تقاضا ہے یا جبری انقیاد و تسلیم، ماورائے محسوسات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کچھ نہیں ہے یا بہت کچھ ہے، ہر شے جو حواس و عقل سے بالاتر ہو قابلِ انکار ہے، یا مخبرِ صادق کی خبر بھی لایقِ قبول، وحی الٰہی رحمت ہے یا زحمت، معاشی مسائل کے حق اور باطل ہونے کا معیار کیا ہے اور معاشرہ کی صحت و سقم کی کسوٹی کا علم کس طرح ہو سکتا ہے، ان تمام حقائق و دقائق کی گرہ کشائی کے لئے قرآن ہی سچا راہنما اور ہادی ہے اور یہی وہ فرقان ہے جو ہر پیچیدہ مسئلہ میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیتا اور کھرے کو کھوٹے سے ممتاز بنا دیتا ہے۔

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب قرآن نے توحیدِ خالص کو پیش کیا اور دینِ الٰہی کے لئے اُس کو اساس و بنیاد ظاہر کیا تو ملت نے اس کے نظریہ کو تعجب سے دیکھا اور کشمکشِ حق و باطل میں الجھ کر حق کی روشنی کو نہ پا سکے چنانچہ قدیم ہندوستان کے باشندوں (سناتن دھرم) نے کہا کہ کروروں دیویوں اور دیوتاؤں کی پرستش ہم اس لئے نہیں کرتے کہ کسی غیر خدا کو خدا مانتے ہیں بلکہ خدا کو بہ شکل انسان دیوتا مانتے ہیں جس نے اپنی صفاتِ ذاتی کو انسانی شکل عطا کر دی اور گویا خود خدا بشکلِ انسان (اوتار) بن کر آگیا ہے یا انسان ابنِ خدا ہو کر جزءِ خدا بن گیا ہے اور یا پھر مقدس اور برگزیدہ خدا انسانوں کی مورتیاں ہیں یا اجرامِ ارضی و سماوی ہیں جو نفع و ضرر میں خدا کی صفات کے مالک اور قادرِ مطلق کی طرح کائنات پر متصرف ہیں اور یا اُن کی پرستش خدا کی خوشنودی اور قربت کی کفیل و ضامن ہے تو ان تفصیلات کے بعد اگر ہم ایک قادرِ مطلق ہستی خدا کو واحد تسلیم کرتے ہوئے ان سب کے ساتھ خدا کی طرح کا معاملہ کرتے ہیں تو کیوں ہم کو مشرک کہا جاتا اور توحید کا منکر تسلیم کیا جاتا ہے خصوصاً جبکہ ہم میں ایسی جماعتیں بھی ہیں جو خدا کے علاوہ نہ کسی کو اوتار مانتی ہیں اور نہ خدا کا بیٹا ان کو نہ کائنات پر قادر و متصرف تسلیم کرتی ہیں اور نہ مورتی پوجا پر اعتقاد رکھتی ہیں۔ البتہ خدا کی طرح مادہ اور روح کو بھی ازلی و قدیم یقین کرتی اور اپنے وجود میں خدا کی طرح دوسرے سے بے نیاز تسلیم کرتی ہیں۔

غرض جب ہم سب خدا کی ایک ہستی کو بالاتر مانتے ہیں تو خدا سے باہر خدائی صفات کا مالک سمجھ کر اگر بعض اشیاء کے ساتھ وجود و ہستی میں یا تصرف و اختیار میں خدا کی طرح تسلیم بھی کر لیں تو اس سے توحید کے خلاف شرک کس طرح لازم آجاتا ہے اور قرآن کس لئے مشرک کہہ کر ہم کو "توحیدِ خالص"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی دعوت دیتا ہے۔

اُس وقت قرآنِ عزیز اُن کے تعجب کو باطل اور امرِ حق کو واشگاف کرنے کے لئے برہان کی اُس نازک، اہم اور وقیع نوع "فرقان" کو تیغِ بے نیام بناتا اور ان کی جانب مخاطب ہو کر یہ کہتا ہے۔

تم نے "توحید" کی حقیقت سمجھنے میں بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اگر اس حقیقت کے رخِ روشن سے پردہ اُٹھ جائے تو سب ہی غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔ تم کہتے ہو کہ خدا کی ہستی کو واحد اور بالاتر مان کر اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ خدا بشکلِ انسان ظہور پذیر ہو سکتا اور انسانی جسم لے سکتا ہے تو اس میں کیا قباحت ہے؟ مگر تم نے یہ نہیں سوچا کہ جو ہستی انسان کا روپ دھارن کر سکتی ہے تو اس میں انسانی صفات بھی ضرور پائے جائیں گے اور بشری صفات میں حاجت اور ضرورت اس کی نمایاں صفت ہے جو قدم قدم پر ظاہر ہوتی اور اس کی بشریت پر احتیاج کا ٹھپہ لگاتی ہے۔ پس اگر اوتار کا عقیدہ صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ خدا بھی دوسروں کا محتاج اور ضرورتمند ہے حالانکہ خدا تو اس ہستی کا نام ہے جو "صمد" یعنی ہر قسم کی حاجات سے "بے نیاز" ہے اور ہر قسم کے خلا سے بالاتر ہے کہ اس کے پُر کرنے کی ضرورت پیش آئے لہٰذا فیصلہ یہ کرنا ہے کہ اگر خدا صمد ہے تو وہ بشری شکل وصورت اور اوتار کے فرضی عقیدہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتا اور اگر وہ صمد نہیں ہے تو پھر اس کو خدا کہنا ہی بے معنی اور لغو ہے اس لئے کہ دورخی صفات سے اس کی ذاتِ اقدس اعلیٰ و بالا ہے۔ پھر جب وہ "واحد" اور "لا شریک لہٗ" ہے تو یہ کیسے سمجھ میں آسکتا ہے کہ جو اپنی ذات میں یکتا و بے ہمتا ہو، اُس کے تقرب اور اس کی رضا و خوشنودی کے لئے جب تک ہم اُسی کی طرح دوسری مخلوقات کی پرستش نہ کریں اور اُن کو خدا کا درجہ نہ دیں یا اُن کی مضرت اور ان کے نفع کو خدا کی مضرت و نفع کا قائم مقام نہ سمجھیں اُس وقت تک اُس کی پرستش اور تقرب کا حق ادا نہیں ہو سکتا بلکہ عقلِ سلیم تو یہ راہنمائی کرتی ہے کہ اگر یہ سب کارخانۂ ہست و بود اُسی کے قدرت و اختیار کا کرشمہ ہے تو نفع و ضرر کا معاملہ بھی براہِ راست اُس کے ہاتھ میں ہے اور پرستش و عبادت کے لائق بھی وہی اور صرف وہی ذاتِ والاصفات ہے اور اس کے علاوہ اُسی کی طرح دوسروں کی پرستش اور دوسروں کے ساتھ خوف و رجا کا اعتقاد در حقیقت اس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذات احدیت کے منافی ہے۔

اسی طرح روح یا مادہ یا دونوں کو اسی کی طرح ازلی و قدیم اور "خود آ" سمجھنا دوسرے الفاظ میں اس کا اقرار کرنا ہے کہ خدا ایک نہیں ہے بلکہ ایک سے زائد ہے۔ اس لئے کہ خدا کی وہ امتیازی صفت کہ جس سے خدا دوسروں سے بے نیاز اور خود موجود ہے اور وہ اپنی ہستی میں کسی کے وجود کا رہین منت نہیں، صرف خدا کے لئے ہی نہیں رہتی بلکہ مادہ اور روح بھی اس کے ساتھ اس ذاتی صفت میں شریک ہو جاتے ہیں غرض کوئی صاحب عقل یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ ایک ہستی کو "وحدہ لاشریک لہ" بھی تسلیم کیا جائے اور پھر اس کی ذاتی امتیازی صفات میں بھی دوسروں کو شریک و سہیم بتلایا جائے۔

اور یہ دعویٰ تو عالم رنگ و بو کی بوالعجبیوں میں ایک حیرت زا بوالعجبی ہے کہ خدا ایک بھی ہے اور بے نیاز بھی ہے مگر وہ تین بھی ہے اور اولاد کا محتاج بھی ہے اگر ریاضی کے مسلمہ مبادیات میں سے یہ بات غلط ہو چکی ہے کہ "ایک" "تین" نہیں ہو سکتا اور "تین" "ایک" نہیں ہے تو پھر باپ، بیٹا، روح القدس کو اقانیم ثلثہ کہہ کر ایک کو تین اور تین کو ایک کس طرح تسلیم کرایا جا سکتا ہے، کیا جو شے مرکب ہو کر معجون کی طرح ایک مزاج اختیار کر لیتی ہے اسی طرح باپ، بیٹا، روح القدس نے بھی اجزاء ترکیبی ہو کر ایک مزاج اختیار کر لیا ہے اور اسی مرکب کا نام خدا ہو گیا ہے کیا یہ ہے خدا کی وہ مقدس ہستی جو سب سے بالاتر ازلی قدیم ہے ان ھذا لشئ عجاب۔ خدا تو اسی کو کہہ سکتے ہیں کہ نہ وہ اپنی بقار میں نسل و اولاد کا محتاج ہو اور نہ اپنے وجود میں باپ کا رہین منت۔

اسی طرح عقل یہ سمجھنے سے بھی قاصر ہے کہ خدا کی ہستی کو دو متضاد عناصر میں تقسیم کر کے نیکی اور بدی یا ظلمت اور نور کا جدا جدا خالق و مالک قرار دیا جائے اور اس طرح وحدانیت کو ثنویت میں ڈھال کر دو خدا ہونے کا صاف صاف اقرار کیا جائے۔ کیونکہ خدا اگر رقیب رکھتا اور مخالف طاقت کا معاصر حریف ہے تو پھر ایسے خدا کی کائنات کو حاجت ہی کیا ہے جو دنیا خود ہی متضاد عناصر کا مجموعہ ہو اس میں اگر ایک مزید قوی تر دو حریفوں اور رقیبوں کا اضافہ ہو جائے تو دنیا کو کیا ضرورت ہے کہ ان کو اپنا خالق و مالک اور بے ہمتا خدا تسلیم کرے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پس تاریخِ ادیان و ملل نے اپنی اپنی صحیح تعلیماتِ حق کو فراموش کر کے "توحیدِ خالص" کے مسئلہ میں ٹھوکر کھائی تو قرآن کہتا ہے کہ میں اسی لئے پیغامِ حق بن کر آیا ہوں کہ اس ٹھوکر پر متنبہ کروں، اور قعرِ ضلالت میں گرنے سے بچالوں وہ کہتا ہے کہ خدا کا صحیح تصور یہ ہے کہ "اللہ احد" "خدا اکیلا" ہے یعنی وہ صرف ایک ہی نہیں ہے کہ دوئی کا کوئی تصور بھی اس میں سما سکے بلکہ وہ تو "اکیلا" ہے اردو میں "ایک" اور "اکیلا" کے درمیان یہی فرق ہے کہ دوسرے لفظ کے ساتھ کسی طرح دوئی کا تصور ممکن نہیں ہے۔ پس غور کرنا چاہیئے ہندوستان کے قدیم مذہب کے تمام اسکولوں کو کہ خدا بے نیاز ہستی کا نام ہے "اللہ الصمد" اس لئے وہ نہ "اوتار" بنتا ہے اور نہ مورتیاں خدا کی جگہ عبادت و پرستش اور حاجات روائی کے لئے محور و مرکز بن سکتی ہیں۔

غرض صمد اسی ذات کو کہتے ہیں جو اجرامِ فلکی ہوں یا اجسامِ ارضی سب سے بالا تنہا خود ہی احدیت احدیت کا محور اور عبادت و پرستش اور حاجات روائی کا مرکز و مرجع ہے۔ اسی طرح یورپ کی پاپائیت اور عیسوئیت کے تمام اسکول اور شام و فلسطین کی یہودیت کے تمام بنیادی مسالک کو یہ واضح رہنا چاہیئے کہ خدا کا تصور ولد اور والد جیسے انتسابات سے منزہ اور پاک ہے نہ وہ وجود میں کسی کا محتاج ہے اور نہ بقا میں کسی کا رہینِ منت۔ چہ جائیکہ وہ اقانیم ثلثہ یا ثنویہ کا محتاج ہو "لم یلد ولم یولد" نیز مادہ و روح کو ازلی قدیم کہہ کر یا یزداں و اہرمن کو دو متضاد اور رقیب خدا بنا کر خدا کا سہیم و شریک بنانا اور خدائے برتر کی امتیازی اور ذاتی صفت قدامت و ازلیت اور "خود آ" ہونے میں دوسروں کو جگہ دینا بھی خدا کے تصور کی غلط اور گمراہ کن تصویر ہے اور جو اس تصویر کے نقوش میں رنگ بھرتا ہے وہ درحقیقت توحید کا اقرار کرنا تو کجا توحید کے خلاف ثنویت و تثلیث کا دوسرا نقشہ تیار کرتا ہے۔ لہذا ایسے تصوراتِ باطل کو مٹانے کے لئے یہ حقیقی تصور درکار ہے "ولم یکن لہٗ کفواً احد" یعنی خدا ایک ایسی بلند و بالا ہستی کا نام ہے جس کی ذات میں تو کجا ذاتی و امتیازی صفات میں بھی رقابت و حریفانہ مشارکت کی گنجائش نہیں ہے بلکہ "ایں خیال است و محال است و جنوں" کا مصداق ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہدیجئے اللہ اکیلا ہے،

الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ اللہ بے نیاز ہے، نہ وہ کسی کو جنتا ہے اور نہ کسی سے

يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا جنا جاتا ہے (یعنی نہ باپ ہے نہ بیٹا) اور نہ اُس کا

اَحَدٌ ۝ (اخلاص) کوئی ہمسر و ہمتا ہے۔

سورۂ اخلاص کی ان مختصر مگر جامع اور معجز آیات نے کس طرح توحیدِ خالص پیش کرتے ہوئے کائناتِ انسانی کے ادیان و ملل کی تاریخ میں انقلابِ عظیم برپا کر دیا اور کس طرح اس مسئلہ کی تمام گمراہیوں کو بیان کرتے ہوئے حقیقت کو واضح کر دیا اور سمندر کو کوزہ میں بھر دیا یہ ایک طویل روئداد کا طالب ہے یہاں جس کے لئے گنجائش نہیں ہے تاہم بغیر تاویل و تنقیح کے یہ چند آیات تمام ادیان و ملل کی اُن ٹھوکروں کا پردہ فاش کرتی ہیں جو انھوں نے توحید کے تصور میں قدم قدم پر کھائی ہیں اور اسی لئے اس کا یہ کہنا بیجا نہیں ہے کہ وہ صرف "برہان" ہی نہیں ہے بلکہ "الفرقان" بھی ہے۔ توحید اور اس کے علاوہ الٰہیات کے مسائل ہیں نیز ان تمام مسائل میں جو انسان کی معاشرت و معاشیات سے گہرا تعلق رکھتے اور انسانی سماج کے بقاء و تحفظ کی روحِ رواں سمجھے جاتے ہیں۔ قرآن نے دنیا پر انسانی کی گمراہیوں اور لغزشوں کو واضح کر کے حق و باطل کے درمیان امتیاز پیدا کر دیا ہے اور جگہ جگہ اُن کو دہرا کر موعظت و نصیحت کا حق ادا کیا ہے اور یہی اس کا وہ طغرائے امتیاز ہے جو خدائے برتر کے سماوی پیغامات کی طرح اور پھر اُن پر ممتاز و فائق ہو کر اُس کو "الفرقان" کے لقب سے ملقب و مفتخر کرتا ہے۔

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام میں رسول کا تصور

(از جناب مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی)

اسلام میں خدا کے تصور کی طرح رسول کا تصور بھی تمام مذاہب سے جداگانہ اور بالاتر تصور ہے یہاں انسانِ کامل کی آخری سرحد اور لاہوت و جبروت کے ابتدائی تصور میں کوئی نقطہ مشترک نہیں نکلتا۔ ایک انسان اپنی فطری اور وہبی استعداد کا ہر کمال بالفعل حاصل کر لینے کے بعد بھی الوہیت کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ تصور کے قابل نہیں ہوسکتا۔ اسلام میں اللہ تعالیٰ کا تصور اتنا بلند ہے کہ وہ حلول و اتحاد، ولادت و قرابت اور اس طرح کی تمام نسبتوں میں سے کسی نسبت کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اسی معنی سے اُس کو احد و صمد کہا جاتا ہے ؎

دور بینانِ بارگاہِ الست بیش ازیں پے نہ بردہ اند کہ ہست

رسول، اوتار اور بروز

اسلام میں رسول نہ خدا کا اوتار ہوسکتا ہے کہ خدائی اس میں حلول کر سکے اور نہ خود خدا ہوسکتا ہے کہ ہیکلِ انسانی میں جلوہ نما ہو۔ رسول کے متعلق خدائی کا تصور عیسائیت کا راستہ ہے اور خدا کے متعلق یہ عقیدہ کہ وہ رسول کی صورت میں بروز کرتا ہے براہمہ کا عقیدہ ہے۔ اسلام کی تعلیم ان دونوں سے علیحدہ ہے بلکہ یہ دونوں تصور اسلام میں بے مصداق، ناممکن اور محال ہیں۔ عام حیوانات کو دیکھئے قدرت نے اُن میں بھی ہر ہر نوع کی جدا جدا خصوصیات اور صورتیں بنائی ہیں اور اس طرح ہر نوع کے درمیان ایک ایسا خطِ فاصل کھینچ دیا ہے کہ ہزار ترقی کرنے کے بعد بھی ایک نوع دوسری نوع کی سرحد میں قدم نہیں رکھ سکتی بلکہ ہر نوع اپنے ان ہی قدرتی حدود کے درمیان گردش کرتی رہتی ہے اور اسی حد بندی سے اس عالم کا نظام قائم رہتا ہے۔

© rasailojaraid.com